جملہ حقوق بحق مرکزی انجمن خدام القرآن اور دینِ حق ٹرسٹ محفوظ ہیں!

مذکورہ بالا دونوں ادارے ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی کتابوں، تحریروں اور اقتباسات کے ضمن میں اجازت دیتے ہیں کہ کوئی شخص یا پبلیشر اگر ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے علمی مواد کو شائع کرنا چاہتا ہے تو وہ اشاعت سے قبل چند ضوابط کی پابندی کرتے ہوئے، قیمتاً فروخت کرنے یا مفت تقسیم کرنے کے لیے، تحریری اجازت بلا معاوضہ مذکورہ بالا دونوں اداروں میں سے کسی ایک سے ضرور حاصل کرلے۔ اگر کوئی فرد پبلیشر معیّن کردہ ضوابط کی خلاف ورزی کرے گا تو اُس کے خلاف قانونی چارہ جوئی کی جائے گی۔

نام کتاب.................................. ''مردانِ کار''

طبع اول (اکتوبر 2022ء)................................ 600

مقامِ اشاعت... دارالاسلام، مرکز تنظیم اسلامی ملتان روڈ چوہنگ لاہور

مطبع .... رائمہ پبلیکیشن لاہور

email: markaz@tanzeem.org
website: **www.tanzeem.org**

پیشِ لفظ

رفقائے تنظیمِ اسلامی خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ تنظیمِ اسلامی ایک اُصولی، اسلامی اور انقلابی جماعت ہے جو دینِ حق یا بالفاظِ دیگر نظامِ خلافت کو قائم کرنے کے لیے کوشاں ہے۔ تنظیمِ اسلامی نے انقلابی طریقِ کار سیرتُ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اخذ کیا ہے۔ اس انقلابی طریقِ کار میں تیسرا مرحلہ رُفقاء کی تربیت ہے جو دراصل ہر انقلابی عمل کی ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ اگر انقلابی کارکنوں کی تربیت نہ ہو تو وہ خام ہیں۔ تربیت ہوگی تو وہ پختہ ہوں گے۔ بقول اکبر الٰہ آبادی ؎

تو خاک میں مِل اور آگ میں جل جب خِشت بنے تب کام چلے
ان خام دلوں کے عُنصر پر بنیاد نہ رکھ، تعمیر نہ کر

یہی وجہ ہے کہ ہر انقلابی پارٹی اپنے کارکنوں اور وابستگان کی تربیت کا اہتمام کرتی ہے۔ یہ بات بھی بہت اہم ہے کہ یہ تربیت انقلابی نظریہ اور فکر کی مناسبت سے ہوگی۔ اگر پیشِ نظر ایسا انقلاب ہے جس میں اخلاقیات، ایمانیات، روحانیت اور معاملات کو بہت اہمیت حاصل ہے تو تربیت میں ان پہلوؤں کو بھی پیشِ نظر رکھنا بہت ضروری ہے۔ آج اگر ہمیں اسلامی انقلاب برپا کرنے کی جدوجہد کرنی ہے تو خانقاہی تربیت نہیں بلکہ مجاہدانہ تربیت درکار ہے۔ یہ مجاہدانہ تربیت کس نَہج پر ہوگی، انقلابِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے مردانِ کار کی تربیت وتزکیہ کن خُطوط پر ہوگی۔

تنظیمِ اسلامی کے شعبۂ تربیت کے مُجوّزہ خاکہ پر مرکزی تربیتی کمیٹی، مرکزی مجلسِ عاملہ اور توسیعی عاملہ کی سطح پر نظامِ تربیت کو تزکیۂ نفس کے حوالہ سے بہتر بنانے کے لیے جائزہ و مشاورت کا سلسلہ کئی ماہ جاری رہا۔ اور کافی غور وخوض کے بعد چند سفارشات تیار کی گئیں۔ ان سفارشات کی روشنی میں سلسلۂ اشاعت میں چند مزید

کتابیں اور مضامین شامل کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ جن میں سے ایک منتخب نصاب میں شامل **سورۃ الجمعہ کی آیت نمبر 2 کا درس** بھی ہے۔ اُمید ہے رفقاء سورۃ جمعہ کی اس آیت پر غور وفکر کا حق ادا کریں گے اور اسے کما حقہٗ سمجھنے کی کوشش کریں گے تا کہ تنظیمِ اسلامی کا قافلہ اپنی منزل کی جانب نہ صرف تیز رفتاری سے گامزن ہو بلکہ راستے کے سنگ ہائے میل سے بھی بخوبی واقفیت ہو اور آخرت کے انعام واکرام کا یقین بھی راستے کے مصائب پر صبر کرنے میں مُمِد ومعاون ہو۔ بقول علامہ اقبالؒ۔

ے تیز ترک گام زن

منزلِ ما دورِ نیست

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے اس قافلے کے ساتھیوں کو قرآنِ مجید میں غور و فکر اور تدبّر کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

سورۃ الجمعہ کے مضامین پر غور وفکر کے ضمن میں بھی ہم وہی طریقِ کار اختیار کریں گے جو سورۃ الصّف کے ذیل میں اختیار کیا گیا تھا کہ پہلے سورت کی مرکزی آیت کو کماحقہٗ سمجھنے کی کوشش کی جائے اور اس کے بعد ایک ایک آیت کو غور وفکر کا موضوع بنایا جائے۔ بالخصوص ہر آیت کا جو ربط وتعلق اس مرکزی آیت کے ساتھ بنتا ہے‘ اسے سمجھنے کی کوشش کی جائے۔

سورۃ الصّف اور سورۃ الجمعہ کے مضامین کا باہمی ربط

یہ بات اس سے پہلے عرض کی جا چکی ہے کہ سورۃ الصّف اور سورۃ الجمعہ میں جوڑے ہونے کی وہ نسبت جو قرآن مجید کی اکثر سورتوں میں موجود ہے‘ بہت ہی نمایاں ہے۔ اس لیے کہ یہ دونوں بلند پایہ سورتیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے دو پہلوؤں سے بحث کرتی ہیں۔ چنانچہ سورۃ الصّف کا مرکزی مضمون تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقصدِ بعثت‘ جبکہ سورۃ الجمعہ کا مرکزی مضمون یہ ہے کہ اس مقصدِ بعثت کے حصول اور اس عظیم مشن کی تکمیل کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بنیادی طریقِ کار کون سا تھا! —— یہاں لفظ ”بنیادی“ خاص طور پر قابل توجہ ہے اور اسے سمجھنے کے لیے ہمیں قدرے تفصیل میں جانا ہوگا۔

اگرچہ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ اگر ہم عام مروّجہ معنوں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک انقلابی رہنما کہیں تو یہ یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین کے مترادف (۱) ہوگا‘ لیکن دوسری طرف یہ بھی ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ داعیٔ انقلاب کا اِطلاق (۲) نسل انسانی کے کسی فرد پر اگر بتمام وکمال ہوسکتا ہے تو وہ صرف محمدٌ رّسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں!! اس لیے کہ تاریخ انسانی کا ہمہ گیر ترین (۳) اور گھمبیر ترین (۴) انقلاب برپا کرنے کا سہرا بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے سر ہے۔

---

(۱) ہم معنی (۲) استعمال ہونا (۳) تمام پہلوؤں پر مشتمل (۴) نہایت گہرا

تاریخ انسانی کا عظیم ترین انقلاب

غور کرنے پر معلوم ہو گا کہ تاریخ کے دو بڑے بڑے انقلاب جن کا بہت شہرہ ہے' محض جُزوی انقلابات تھے۔ انقلابِ فرانس ہو یا انقلابِ روس' ان دونوں نے زندگی کے رخ میں کوئی ہمہ گیر تبدیلی برپا نہیں کی۔ انقلابِ فرانس میں لوگوں کے افکار اور عقائد نہیں بدلے' ان کا طرزِ مُعاشَرت (۱) تبدیل نہیں ہُوا' صرف نظامِ حکومت کا ڈھانچہ تبدیل ہوا۔ یعنی شخصی حکومت کا دَور ختم ہوا اور جمہوریت کا آغاز ہو گیا۔ اسی طرح انقلابِ روس (Bolshevik Revolution) اگرچہ ایک بہت بڑا انقلاب تھا' بلکہ اگر اسے انقلابوں کی ماں کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ اس کی کوکھ (۲) سے انقلابوں کی ایک پوری کھیپ (۳) برآمد ہوئی ہے' بایں ہمہ (۴) تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اس کے ذریعے بھی ایک جزوی تبدیلی ہی آ سکی' یعنی محض نظامِ معیشت کا ڈھانچہ تبدیل ہوا۔ اور ویسے تو کہا جا سکتا ہے کہ ایک بڑا انقلابی فکر یعنی جدلی مادّیت (Dialectical Materialism) اس انقلاب کی پشت (۵) پر تھا' لیکن بنظرِ غائر (۶) دیکھا جائے تو مادّیت پہلے سے موجود تھی' اس نے صرف ایک قدم آگے بڑھایا اور جدلی مادّیت کی شکل اختیار کر لی' اسے آپ "مادّیت" سے "جدلی مادّیت" تک ایک ارتقائی عمل (۷) تو کہہ سکتے ہیں' انقلابی عمل نہیں کہہ سکتے۔ گویا وہاں بھی اصل تبدیلی زندگی کے محض ایک گوشے یعنی نظامِ معیشت میں واقع ہوئی کہ کوشش کی گئی کہ ذرائع پیداوار کو اجتماعی ملکیت میں لے کر حصّہ رَسدی (۸) تمام افراد تک کسی قدر مُنصِفانہ انداز میں پہنچا دیا جائے۔ اس سے قطع نظر کہ معاشی ڈھانچے میں اس تبدیلی کے ضمن میں انسان کو کیا قیمت ادا کرنی پڑی اور اس کا کیا ردِّ عمل سامنے آ رہا ہے' فی الوقت صرف یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ دنیا کے یہ تمام انقلابات جزوی تھے' جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لایا ہوا انقلاب ہمہ گیر تھا۔ اس انقلاب میں لوگوں کے عقائد

---

(۱) مل جل کر رہنے کا طریق (۲) پیٹ (۳) جماعت (۴) ان تمام باتوں کے باوجود
(۵) پیٹھ (۶) گہری نظر سے (۷) بتدریج ترقی کا عمل (۸) جتنا جتنا حصے میں آئے

بدلے' افکار بدلے' نظریات بدلے' زندگی کی قدریں بدلیں' نقطہ نظر تبدیل ہو گیا' سوچ کا رُخ بدل گیا' طرزِ بود و باش (۱) بدل گئی' معیشت کا انداز بدل گیا' سیاست کے طور اطوار (۲) بدل گئے' یوں کہیے کہ زمین بدل گئی' آسمان بدل گیا۔ بلکہ یہاں یہ تلاش کرنا پڑتا ہے کہ کیا چیز نہیں بدلی!---- اس پہلو سے کسی دوسرے انقلاب کو انقلابِ محمدی ﷺ سے کوئی دُور کی نسبت بھی نہیں ہوسکتی! چنانچہ اس پہلو سے ہمارے اس دور کے برعظیم پاک و ہند کے ایک بہت بڑے انقلابی ایم این رائے نے نبی اکرم ﷺ کے بارے میں اپنی مشہور کتاب "Historical Role of Islam" میں اگر یہ کہا کہ محمد ﷺ بہت بڑے انقلابی راہنما تھے تو واقعہ یہ ہے کہ غلط نہیں کہا۔

دوسری طرف یہ پہلو بھی قابل توجہ ہے کہ دنیا کے تمام اہم انقلابات کا اگر مشاہدہ کیا جائے تو ایک بات قریباً ہر جگہ مشترک نظر آئے گی کہ انقلابی فکر تخلیق کرنے والے یا پیش کرنے والے کچھ اور لوگ تھے اور اس انقلاب کو عملاً برپا کرنے کا معاملہ کچھ اور لوگوں کے ہاتھوں ہوا۔ انقلابِ فرانس کے بارے میں سب جانتے ہیں کہ والٹیر' روسو اور اُن جیسے نامعلوم کتنے اہلِ قلم تھے جنہوں نے وہ فکر دیا کہ جس کی بنیاد پر اس انقلابی عمل کا آغاز ہوا۔ لیکن یہ ایک معلوم حقیقت ہے کہ انقلابِ فرانس کے عملاً برپا ہونے اور اس کی عملی رہنمائی میں ان مفکرین کو کوئی دخل حاصل نہیں تھا۔ وہ انقلاب عملاً کچھ اوباش (۳) قسم کے لوگوں کی رہنمائی میں برپا ہوا اور واقعہ یہ ہے کہ وہ بڑا ہی خونی انقلاب تھا۔ اسی طرح کا معاملہ انقلابِ روس (Bolshevik Revolution) کا بھی تھا۔ اس انقلاب کے لیے انقلابی فکر دینے والا کارل مارکس جو جرمنی کا رہنے والا تھا' خود اپنی زندگی میں کسی ایک گاؤں میں بھی انقلاب برپا نہیں کرسکا۔ سوچیے' یہاں ایک بالکل ہی دُور دراز کے ملک میں ایک فعّال شخصیت لینن کے ہاتھوں وہ انقلاب برپا ہوا جس نے کارل مارکس کے دیے ہوئے فکر و فلسفہ کو دنیا میں ایک انقلاب کی عملی شکل میں ڈھالا۔ معلوم ہوا کہ انقلابی فکر دینے والے بالعموم کچھ اور لوگ ہوتے ہیں اور انقلاب برپا کرنے والے کوئی اور!

---

(۱) رہن سہن کے انداز (۲) انداز (۳) غنڈے

اس پس منظر میں دیکھئے تو نبی اکرم ﷺ کا معاملہ منفرد اور ممتاز نظر آتا ہے۔ ایک فردِ واحد سے دعوت کا آغاز ہوا اور کل تیئس برس میں یعنی ایک "life span"[۱] کے اندر اندر انقلاب کی تکمیل ہوگئی۔ بلکہ یہ تیئس برس بھی شمسی نہیں، قمری ہیں۔ اس پہلو سے دیکھا جائے تو ہمارے حساب سے وہ بمشکل بائیس برس بنتے ہیں۔ کل بائیس برس میں ایک شخص فردِ واحد کی حیثیت سے دعوت کا آغاز کرتا ہے اور پھر وہ دعوتی و انقلابی جدوجہد ان تمام مراحل کو طے کر کے جو کسی بھی انقلاب کو درپیش ہوتے ہیں، نہایت خوش اُسلوبی[۲] سے پایۂ تکمیل کو پہنچ جاتی ہے۔ اس میں آپ ﷺ کو تمسخر و استہزاء[۳] کے ابتدائی مرحلے سے گزرنا پڑا، پھر وہ شدید تشدد[۴] (persecution) کا دور بھی آیا جس میں اہلِ ایمان پر وحشیانہ مظالم ڈھائے گئے، پھر وہ مرحلہ بھی آیا کہ وطن کو چھوڑنا پڑا، مکہ مکرمہ کی سرزمین کو خیرباد کہہ کر مدینہ منورہ کا رُخ اختیار کرنا پڑا، پھر اقدام کا مرحلہ بھی آیا اور جہاد و قتال کے مراحل سے بھی گزرنا پڑا۔ اور اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اپنے تمام مراحل سے گزر کر کل تیئس برس کی مدت میں وہ انقلاب اپنی تکمیل کو پہنچ جاتا ہے۔ اس کا ایک نتیجہ، جس کی طرف توجہ دلانے کے لیے یہ ساری بات گوش گزار[۵] کی گئی، یہ نکلا کہ نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ مطہرہ میں اس انقلابی عمل کے مختلف مراحل بہت نمایاں ہوگئے۔ بلکہ آپ ﷺ کے اس انقلابی عمل کا tempo[۶] اتنا شدید ہے اور وہ انسان کی توجہ کو اس درجے اپنے اندر جذب کر لیتا ہے کہ اس انقلابی عمل کی پشت پر کارفرما اساسی[۷] طریقِ کار بالعموم نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ حالانکہ وہ اساسی طریقِ کار یا منہجِ عمل اپنی جگہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے کہ اس انقلابی جدوجہد اس تصادم اور اس تمام تر جہاد و قتال کے لیے وہ افراد کس طور سے حاصل ہوئے کہ جن میں ہر ایک عزم و ہمت اور استقامت کی چٹان ثابت ہوا۔ ان افراد کے فکر و نظر میں انقلاب کیونکر برپا ہوا اور پھر ان کی تربیت کا معاملہ کس نہج[۸] پر رہا! گویا غور طلب بات یہ ہے کہ اس

---

(۱) عرصۂ حیات (۲) عمدہ طریقے سے (۳) ہنسی مذاق (۴) ایذا رسانی (۵) آگاہ کرنا
(۶) رفتار۔ چال (۷) بنیادی (۸) طریق

انقلابی عمل کی تہہ میں کارفرما وہ کون سا عمل تھا کہ جس کے ذریعے انفرادی زندگیوں میں انقلاب برپا ہوا۔ جس طرح کسی پہاڑی ندی کا زور و شور(۱) اور اس کی موجوں کا تلاطم انسان کو اس طرح اپنے اندر جذب کر لیتا ہے کہ اس کی گہرائی کی طرف توجہ نہیں ہوتی' اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ مطہرہ کا یہ پہلو یعنی انقلابی کشمکش اور اس میں تصادم کے مختلف مراحل کسی بھی سیرت کے سننے یا پڑھنے والے کو اس درجے اپنے اندر جذب کر لیتے ہیں کہ اس جدوجہد کے پسِ پُشت(۲) کارفرما اساسی منہاج اور بنیادی طریقِ کار نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے اور ساری توجہ اسی ایک پہلو پر مرتکز ہو جاتی ہے۔

انقلابِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اساسی منہاج

سورۃ الجمعہ میں درحقیقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسی اساسی منہاج اور بنیادی طریقِ کار کو واضح کیا گیا ہے جس کے ذریعے وہ افراد تیار کیے گئے جو اس انقلابی جدوجہد میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست و بازو بنے اور جن کے اندر کا انقلاب بیرونی دنیا میں ایک ہمہ گیر انقلاب کا پیش خیمہ(۳) بن گیا۔ اس مضمون کی اہمیت کو اکبرالٰہ آبادی کے ایک شعر کے حوالے سے بہ آسانی سمجھا جا سکتا ہے' بڑا پیارا شعر ہے ؎

خدا کے کام دیکھو' بعد کیا ہے اور کیا پہلے!
نظر آتا ہے مجھ کو بدر سے غارِ حرا پہلے!

اگرچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ طیبہ میں غزوۂ بدر' غزوۂ اُحد' غزوۂ احزاب' صلح حدیبیہ اور فتح مکہ بڑے اہم نشاناتِ راہ (land marks) شمار ہوتے ہیں' لیکن اس وقت ہماری گفتگو کا موضوع یہ ہے کہ وہ بنیادی process اور طریقِ کار کون سا تھا کہ جس سے انقلاب کی داغ بیل(۴) پڑی' جس سے افراد کی زندگیوں میں انقلاب برپا ہوا' وہ افراد کہ جنہوں نے اپنی سیرت و کردار سے یہ ثابت کر دیا کہ ان کا نقشہ وہ ہے جو سورۃ الاحزاب میں بایں طور آیا ہے کہ:

---

(۱) تیزی و تندی (۲) پیچھے (۳) تمہید (۴) ابتدا کرنا

﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾﴾

”اہل ایمان میں ایسے جوان مرد موجود ہیں جنہوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا اسے سچا کر دکھایا۔ تو ان میں سے وہ بھی ہیں جو اپنی نذر[1] پوری کر چکے (اور گردنیں کٹوا کر سبکدوش[2] ہو چکے‘ سرخرو ہو چکے) اور باقی ابھی منتظر ہیں (کہ کب ہماری باری آئے اور ہم بھی سبکدوش ہو جائیں) اور انہوں نے اپنے رویے میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔“

وہ مردانِ کار کس process سے اور کس طور سے تیار ہوئے تھے‘ یہ ہے درحقیقت سورۃ الجمعہ کا مرکزی مضمون۔

سورۃ الجمعہ کی مرکزی آیت

سورۃ الجمعہ کی مرکزی آیت (یعنی آیت ۲) میں جو چار اصطلاحات وارد ہوئی ہیں‘ ان کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید میں چار مقامات پر ان کا اِعادہ کیا گیا ہے اور یہ ایک نہایت غیر معمولی بات ہے۔ سب سے پہلے سورۃ البقرۃ میں حضرتِ ابراہیم اور حضرتِ اسمٰعیل علیہما السلام کی دعا میں وہ الفاظ آئے‘ پھر چند رکوعوں کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس دعا کی قبولیت کے اعلان کے ذکر میں انہی الفاظ کا اِعادہ ہوا‘ پھر سورۂ آلِ عمران میں اہل ایمان پر اللہ تعالیٰ کے اس احسان کے بیان ---- کہ اللہ نے تم میں اپنا ایک رسول بھیج دیا ہے ---- میں انہی چار اصطلاحات کو دہرایا گیا اور پھر آخری مرتبہ یہ چاروں اصطلاحات یہاں سورۃ الجمعہ میں وارد ہوئی ہیں۔ اور یہاں تو یہ الفاظ یا یہ اصطلاحات گویا اس پوری سورت کے لیے بمنزلہ عمود[3] ہیں‘ یا یوں کہہ لیجیے کہ انہیں اس سورت کے مرکزی مضمون کی حیثیت حاصل ہے۔ آیئے اس سورۂ مبارکہ پر اور بالخصوص اس کی آیت ۲ پر نگاہوں کو پورے طور پر مرتکز کر دیا جائے۔

---

(۱) کوئی چیز بطور تحفہ پیش کرنا (۲) فارغ (۳) ستون

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم

﴿هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝۲﴾

دیکھئے! جس طرح سورۃ الصّف کی مرکزی آیت کا آغاز ہوا تھا: ﴿هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ﴾ کے الفاظ سے‘ اسی طرح سورۃ الجمعہ کی مرکزی آیت کا آغاز ہو رہا ہے ﴿هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ﴾ کے الفاظِ مبارکہ سے۔ دونوں مقامات پر ایک ہی اُسلوب[1] ہے اور نہایت ملتے جلتے الفاظ ہیں---- ﴿هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ﴾ ”وہی اللہ ہے جس نے اٹھایا اُمِّیّٖنَ میں ایک رسول انہی میں سے“۔ بعث کے معنی ہیں کسی چیز کا اٹھانا یا برپا کرنا۔ چنانچہ ”بَعث بعد المَوت“ کی اصطلاح موت کے بعد جی اٹھنے کے مفہوم میں استعمال ہوتی ہے۔ لفظ ”اُمِّیّٖنَ“ پر ہم ان شاء اللہ بعد میں گفتگو کریں گے کہ یہ اس سورۂ مبارکہ کے اہم مضامین میں سے ہے۔ ابھی ذرا وقتی طور پر اس لفظ سے توجہ کو ہٹاتے ہوئے آگے بڑھئے۔ اگلے الفاظ اس اعتبار سے نہایت اہم ہیں کہ ان میں رسول اللہ ﷺ کے طریقِ کار یا منہجِ عمل کا بیان ہے کہ وہ رسولؐ جو اللہ نے مبعوث فرمایا ہے‘ کیا کرتے ہوئے آیا ہے: ﴿یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَۗ﴾ ”تلاوت کرتا ہے ان لوگوں پر اُس کی آیات (یعنی اللہ کی آیات)‘ اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور تعلیم دیتا ہے انہیں کتاب اور حکمت کی“۔ آیت کا آخری ٹکڑا حسبِ ذیل ہے: ﴿وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ﴾ ”اور اگرچہ وہ اس سے قبل کھلی گمراہی میں تھے۔“

---

(۱) انداز

چار اہم اصطلاحات

یہ ہے وہ آیۂ مبارکہ جس کے بارے میں عرض کیا گیا ہے کہ یہ مضمون کے اعتبار سے اس سورۂ مبارکہ کی مرکزی آیت ہے۔ اس میں چار اصطِلاحات وارِد ہوئی ہیں: (i) تلاوتِ آیات‘ (ii) تزکیہ‘ (iii) تعلیمِ کتاب‘ اور (iv) تعلیمِ حکمت۔ ان چاروں پر آپ غور کریں گے تو پہلی بات نمایاں ہو کر آپ کے سامنے یہ آئے گی کہ ان چار میں سے کم از کم دو کے بارے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ ان سے مراد سوائے قرآن کے اور کچھ نہیں! ظاہر بات ہے کہ تلاوتِ آیات سے مراد قرآن مجید کی آیات ہی کا پڑھ کر سنانا ہے۔ اسی طرح تعلیم کتاب سے مراد بھی قرآن حکیم ہی کی تعلیم ہے۔ البتہ دو اصطلاحات وہ ہیں کہ جن کے بارے میں کچھ ظاہر بین لوگوں کو یہ اِشتباہ [1] لاحق ہوسکتا ہے کہ شاید ان سے کتاب اللہ کے سوا کوئی اور شے مراد ہے۔ چنانچہ عملِ تزکیہ کے بارے میں ایک گمان یہ ہوسکتا ہے کہ اس کا قرآن سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اس کا اپنا علیحدہ تشخص ہے۔ اسی طرح لفظ ”حکمت“ کے بارے میں بھی ہمارے ہاں ایک خیال یہ ظاہر کیا گیا اور بعض بڑے بڑے اَئمہ دِین [2] کی طرف سے‘ جن میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل ہیں‘ یہ خیال سامنے آیا ہے کہ اس سے مراد سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان کے تمام تر احترام کے باوصف [3] یہاں ہمیں یہ غور کرنا ہوگا کہ ان چاروں اصطلاحات کا باہمی ربط وتعلق کیا ہے اور خود قرآنِ حکیم کے دوسرے مقامات سے ان کا کیا مفہوم متعیّن [4] ہوتا ہے۔ جس طرح سورۃ العصر کے بارے میں عرض کیا گیا ہے کہ شرائطِ نجات کے بیان میں وہ چاروں چیزیں جو وہاں بیان ہوئی ہیں‘ ان میں باہم بڑا گہرا معنوی ربط [5] موجود ہے۔ ایمانِ حقیقی کا لازمی نتیجہ عملِ صالح ہے۔ اور عملِ صالح اگر پختگی کو پہنچے گا تو اس سے تواصی بِالحق کے برگ وبار [6] لازماً ظاہر ہو کر رہیں گے۔ اسی طرح اگر صحیح معنی میں حق کی دعوت دی جائے تو یقیناً صبر کا مرحلہ آ کر رہے گا‘ تکالیف و مشکلات آئیں گی اور انہیں جھیلنا ہوگا۔ لہٰذا جس طرح سورۃ العصر کی ان چار اصطلاحات

---

(۱) شک (۲) دین کے امام (۳) باوجود (۴) مقرر (۵) تعلق (۶) پتے اور پھل = نتیجہ

میں باہم گہرا ربط ہے' اسی طرح سورۃ الجمعہ کی متذکرہ بالا چار اصطلاحات بھی باہم مربوط ہیں۔

تزکیہ کے بارے میں تفصیلی گفتگو تو بعد میں ہوگی' سردست اتنی بات نوٹ کر لیجیے کہ قرآن مجید مدّعی ہے کہ تزکیہ کا اصل ذریعہ وہ خود ہے۔ سورۂ یُونس میں صاف الفاظ میں فرمادیا گیا: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ قَدۡ جَآءَتۡكُم مَّوۡعِظَةٞ مِّن رَّبِّكُمۡ وَشِفَآءٞ لِّمَا فِي ٱلصُّدُورِ﴾ (آیت ۵۷) یعنی "اے لوگو! تمہارے پاس آ چکی ہے تمہارے ربّ کی طرف سے ایک مَوعِظت (ایک نصیحت) جو شفا ہے تمہارے سینوں کے امراض کے لیے"۔ یعنی یہ قرآن تمہارے تمام باطنی اور روحانی امراض کا مُداوا[1] بن کر نازل ہوا ہے۔ تزکیۂ نفس یا تزکیۂ باطن کا اصل ذریعہ خود قرآن ہے۔ اور جہاں تک "تعلیمِ حکمت" کا معاملہ ہے تو اس ضمن میں ہمارے اس مُنتخب نصاب میں سورۂ بنی اسرائیل میں وہ آیت وارِد[2] ہو چکی ہے جو اس حقیقت کو بے نقاب کرنے کے لیے کافی ہے کہ حکمت کا اصل سرچشمہ[3] بھی خود قرآن ہی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: ﴿ذَٰلِكَ مِمَّآ أَوۡحَىٰٓ إِلَيۡكَ رَبُّكَ مِنَ ٱلۡحِكۡمَةِۗ﴾ (آیت ۳۹) "یہ ہے وہ چیز کہ (اے محمد ﷺ) آپ پر وحی کی ہے آپ کے ربّ نے ازِ قسمِ حکمت!" تو معلوم ہوا کہ یہ چاروں اصطلاحات یعنی تلاوتِ آیات' تزکیہ' تعلیم کتاب اور تعلیم حکمت درحقیقت قرآن مجید ہی کے گرد گھوم رہی ہیں اور ان سب کا مرکز و محور قرآن مجید ہی ہے۔ گویا بالفاظِ دیگر محمد رسول اللہ ﷺ کا آلۂ انقلاب یہی قرآن مجید ہے' جس کے بارے میں مولانا حالی نے بڑے پیارے انداز میں کہا تھا ؎

اُتر کر حرا[4] سے سُوئے قوم[5] آیا
اور اِک نسخۂ کیمیا[6] ساتھ لایا

غور کیجیے' محمدٌ رّسول اللہ ﷺ نے افراد کی زندگیوں میں وہ عظیم انقلاب کیسے برپا

---

(۱) علاج (۲) آنا (۳) منبع۔ نکلنے کی جگہ (۴) غارِ حرا (۵) قوم کی طرف
(۶) ادنیٰ کو اعلیٰ بنانے والا نسخہ

فرمایا! ان کے فکر اور ان کے کردار میں جو ہمہ گیر[۱] تبدیلی آئی وہ کیوں کر آئی؟ اس کا اگر تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس تمام تبدیلی کی بنیاد اور اساس خود قرآنِ حکیم ہے۔ تو آیئے، ہم ان چار اصطلاحات پر اپنی توجہات کو مرکوز کریں!

تلاوتِ آیات

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا کام یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائضِ چہارگانہ[۲] میں سے پہلا فریضہ ہے تلاوتِ آیات، جس کے لیے یہاں الفاظ لائے گئے: {يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ} "تَلَا يَتْلُوْ" اگر بغیر کسی صلے کے آئے تو اس کے معنی خود پڑھنے کے ہوتے ہیں اور جب اس پر "عَلٰی" کا اضافہ ہو جائے، جیسے "تَلَا عَلَيْهِ" تو اس کے معنی ہوں گے کسی کو پڑھ کر سنانا۔ کارِ نبوت یا کارِ رسالت کا سرِ آغاز[۳] یہی تلاوتِ آیات ہے۔ دعوت کا آغاز تلاوتِ آیات ہی سے ہوتا ہے۔

لفظ آیات پر اس سے قبل ہمارے ان اسباق میں گفتگو ہو چکی ہے۔ غور کیجیے کہ آیات یا نشانیوں کا حاصل کیا ہے! ہم پڑھ چکے ہیں کہ ان آیات سے اصل مقصود ذہن کو اللہ کی جانب متوجہ کرنا ہے۔ اللہ کی یاد دلوں میں تازہ ہو جائے، اللہ کی معرفت اور اس پر ایمان قلوب میں اُجاگر ہو جائے۔ یہی آیات ہیں کہ جو پھر انسان کو بَعث بَعد الموت کی طرف اور جزا و سزا کی طرف متوجہ کرتی ہیں۔ گویا ہر اعتبار سے اوّلین کام تلاوتِ آیات ہی بنتا ہے۔ قرآن مجید کی حکمتِ نزولی سے ہمیں اس کی مزید تائید[۴] ملتی ہے کہ قرآن مجید میں مکی سورتوں میں جو آیات نازل ہوئی ہیں ان سب کا بنیادی موضوع ایک ہی ہے اور وہ ہے توحید، یعنی اصل مقصود یہ ہے کہ ایمان باللہ دلوں میں جاگزیں[۵] ہو جائے، ہستیٔ باریٔ تعالیٰ کا یقین راسخ[۶] ہو جائے، اس کی صفاتِ کمال کا علم حاصل ہو جائے، اس کی توحید پر دل ٹھک جائے، جزا و سزا، بَعث بَعد الموت، حشر نشر اور جنت و دوزخ پر ایک یقینِ محکم پیدا ہو جائے، نبوت و رسالت اور اِنزالِ وحی و کتب کے ضمن میں کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے۔ یہ ہے اصل اہمیت کی چیز، یہ ہے کارِ رسالت کا نقطۂ آغاز!

---

(۱) تمام پہلوؤں پر مشتمل (۲) چاروں (۳) عنوان (۴) حمایت (۵) بیٹھ جانا (۶) پختہ

قرآن حکیم کی آیات نے لوگوں کے ذہنوں سے تمام ملحدانہ خیالات‘ مشرکانہ عقائد اور اس کائنات اور خود اپنے بارے میں انسان کے قائم کردہ تمام غلط نظریات کو دھو دیا اور صاف کر دیا۔ اس تطہیرِ ذہنی و فکری کا اصل ذریعہ ہے تلاوتِ آیات!

ایک فرد کے معاملے کو ذہن میں رکھ کر آپ اس بات کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ ایک فرد میں اسلامی انقلاب آ جائے تو ظاہر بات ہے کہ آپ کو سب سے پہلے اس کی سوچ اور اس کے نقطۂ نظر کا جائزہ لینا ہوگا اور اس کی فکر کی اِصلاح سے کام کا آغاز کرنا ہوگا۔ اگر آپ چھوٹتے ہی اسے کچھ شعائرِ اسلامی (۱) کا احترام کرنے یا نماز روزے کی تلقین کریں گے تو یہ ایک غیر حکیمانہ ترتیب ہوگی۔ آپ کو سب سے پہلے یہ جائزہ لینا ہوگا کہ اُس شخص کی فکر کیا ہے‘ اس کی سوچ کیا ہے‘ آیا وہ اس کائنات کو محض ایک حادثہ سمجھتا ہے اور اس کا یہ خیال ہے کہ یہ نظام از خود چل رہا ہے یا وہ مانتا ہے کہ اس کا کوئی خالق‘ مالک اور مدبّر (۲) بھی ہے!! اسی طرح یہ دیکھنا ہوگا کہ آیا وہ اسی دُنیوی زندگی کو کُل زندگی سمجھتا ہے یا حیات بعدِ موت کا کوئی تصور اس کے ذہن میں موجود ہے! —— اور آیا وہ صرف عقل اور حواس ہی کو اپنے لیے حصولِ علم کا ذریعہ اور ہدایت و رہنمائی کا سرچشمہ سمجھتا ہے یا یہ کہ وہ کسی ماوراء عقل (۳) یا ماوراء حواس ذریعہ علم (source of knowledge) کو بھی تسلیم کرنے پر آمادہ ہے؟ اگر آپ کی اس انقلابی کوشش کا آغاز یہاں سے نہیں ہوگا تو سمجھ لیجیے کہ آپ کی کوششیں بارآور (۴) نہیں ہوں گی۔ اگر ذہن پر مادہ پرستی‘ الحاد اور مختلف مشرکانہ اوہام کا تسلط ہے تو سب سے پہلے ان کی تطہیر لازم ٹھہرے گی۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے جس ماحول میں وہ انقلاب برپا فرمایا اس میں تلاوتِ آیات کے ذریعے لوگوں کی ذہنی اور فکری تطہیر کے عمل کو مقدم رکھا۔ مادہ پرستی‘ الحاد اور مشرکانہ اوہام کے زہر سے قلوب و اذہان کو پاک کر کے مثبت طور پر دلوں میں ایمان باللہ‘ ایمان بالآخرت اور ایمان بالوحی اور رسالت کی بنیادیں قائم کیں۔ یہ

---

(۱) اسلامی عبادات (۲) کامیاب ہونا (۳) تدبیر کرنے والا (۴) عقل سے بالاتر

ہے درحقیقت انقلابِ محمد ﷺ کا نقطۂ آغاز۔ یہاں سے بات آگے چلتی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں آپ دیکھیں گے کہ دعوت و تبلیغ کے بارے میں جتنی اصطلاحات بھی وارد(۱) ہوئی ہیں ان سب کا مبنیٰ(۲)، ان سب کا مرکز اور محور قرآن مجید خود اپنے آپ کو قرار دیتا ہے۔ دعوت و تبلیغ کے ضمن میں "انذار و تبشیر" انبیاء کرام علیہم السلام کا ایک بنیادی فریضہ سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ انذار(۳) کے بارے میں فرمایا گیا: ﴿وَاُوْحِیَ اِلَیَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَکُمْ بِہٖ﴾ (الانعام: ۱۹) "مجھ پر یہ قرآن نازل کیا گیا ہے تاکہ میں تمہیں اس کے ذریعے سے خبردار کردوں"۔ معلوم ہوا کہ انذار کا اصل ذریعہ خود قرآن حکیم ہے۔ اسی طرح تبشیر کے بارے میں فرمایا: ﴿فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰہُ بِلِسَانِکَ لِتُبَشِّرَ بِہِ الْمُتَّقِیْنَ وَتُنْذِرَ بِہٖ قَوْمًا لُّدًّا ۝۹۷﴾ (مریم) "(اے نبی ﷺ!) ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان پر آسان کر دیا ہے، تاکہ آپ اسی کے ذریعے اہل تقویٰ کو بشارت دیجیے اور اسی کے ذریعے آپ انذار فرمائیے اور خبردار کیجیے جھگڑالو قوم کو"۔ گویا انذار ہو یا تبشیر، دونوں کا ذریعہ اور مرکز و محور خود قرآن ہے۔

اسی طرح انبیاء کا ایک فریضہ "تذکیر" بھی ہے، یعنی یاد دہانی کرانا، نصیحت کرنا۔ سورۂ قٓ کی آخری آیت میں اس کے بارے میں فرمایا گیا: ﴿فَذَکِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ یَّخَافُ وَعِیْدِ ۝۴۵﴾ "تذکیر فرمائیے اس قرآن کے ذریعے سے ہر اُس شخص کو جو میری وعید سے ڈرتا ہو"۔ اسی طرح فرائض نبوت و رسالت کی تعبیر کے ضمن میں ایک اہم اصطلاح "تبلیغ" کی ہے۔ سورۃ المائدۃ میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ط﴾ (آیت ۶۷) "(اے نبی ﷺ!) پہنچا دیجیے (تبلیغ فرمائیے) اُس کی جو نازل کیا گیا آپ پر آپ کے رب کی طرف سے"۔ الغرض دعوت و تبلیغ کے ضمن میں قرآن حکیم کی جو بھی بنیادی اصطلاحات ہیں مثلاً انذار و تبشیر اور تذکیر و تبلیغ، ان سب کا مرکز و محور خود قرآن ہے۔ چنانچہ سیرتِ مطہرہ میں بھی ہمیں نظر آتا ہے کہ آپ ﷺ نے ہر جگہ قرآن ہی کو پیش کیا، اپنی بات کہنے اور اپنی تقریر کرنے سے حتی

---

(۱) آنا (۲) بنیاد (۳) خبردار کرنا

الامکان احتراز[1] فرمایا۔ بعض لوگوں نے خطباتِ نبوی ﷺ کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے‘ لیکن واقعہ یہ ہے کہ بہت ہی قلیل تعداد میں خطبات دستیاب ہو سکے ہیں۔ آپ ﷺ کی گفتگو نہایت جامع[2] اور مختصر ہوتی تھی اور جس جگہ بھی آپ ﷺ دعوت پہنچانے کے لیے تشریف لے جاتے‘ قرآنی آیات لوگوں کو پڑھ کر سناتے اور ان کے ذریعے انذار‘ تبشیر اور تذکیر فرمایا کرتے تھے کہ یہ ایک کلام ہے جو مجھ پر ربّ العالمین کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ یہ ایک پیغام ہے جس کو لے کر میں آیا ہوں۔ اسی قرآن کے ذریعے سے آپ ﷺ نے اپنی دعوت کا آغاز فرمایا۔ تو گویا انقلابِ محمدی ﷺ کا نقطۂ آغاز ہے تلاوتِ آیات اور اس کے ذریعے انذار و تبشیر‘ تذکیر و نصیحت اور دعوت و تبلیغ!

تزکیہ

﴿يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِهٖ﴾ کے بعد اب آگے چلیے! ﴿وَيُزَكِّيۡهِمۡ﴾۔ یہ وہ مرحلہ ہے جس کے بارے میں بدقسمتی سے ہمارے ہاں سب سے زیادہ غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں اور یہ خیال عام ہے کہ قرآن مجید نے شاید تزکیۂ نفس کا کوئی طریقہ ہمیں عطا نہیں فرمایا! بلاشبہ یہ بہت بڑا سُوئے ظن[3] ہے۔ اسی طرح بعض لوگوں کے طرزِ عمل سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ اس سُوئے ظن میں مبتلا ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے تزکیۂ نفس کا کوئی طریقہ ہمیں عطا نہیں فرمایا۔ میں پھر عرض کروں گا کہ یہ بہت بڑا سُوئے ظن ہے قرآن حکیم سے بھی اور محمدٌ رّسول اللہ ﷺ سے بھی۔

تزکیہ کی اصل حقیقت کیا ہے؟ اس مرحلے پر اسے اچھی طرح سمجھنا ضروری ہے۔ پہلی بات یہ نوٹ کیجیے کہ تزکیہ کرنا انسان کا مطلوب ہے اور انسان مجموعہ ہے دو چیزوں کا۔ ایک ہے اس کی فکر اور اس کی سوچ اور دوسری چیز ہے اس کا عمل اور اس کی رَوِش[4] یا اس کا وہ طرزِ عمل جو وہ زندگی میں اختیار کرتا ہے۔ کچھ انسان ایسے ہوتے ہیں جن کے فکر و عمل میں بُعد[5] یا تضاد پایا جاتا ہے۔ ایسے شخص کو آپ ایک مریض شخصیت قرار

---

(۱) پرہیز (۲) مکمل (۳) بُرا گمان (۴) طرزِ عمل (۵) دُوری

دیتے ہیں' اسے نارمل انسان نہیں قرار دیا جاتا' ورنہ ایک نارمل انسان ایک ناقابلِ تقسیم اِکائی (integrated whole) ہوتا ہے' اس کا عمل اور اس کا رویہ درحقیقت اس کے نظریات' اس کے افکار' اس کی سوچ اور اس کی فکر پر مشتمل ہوتا ہے۔ اگر سوچ غلط ہے' نقطۂ نظر غلط ہے' قلوب واذہان پر اگر غلط نظریات وافکار کا تسلُّط[1] ہے تو ظاہر بات ہے کہ عمل از خود غلط ہو جائے گا۔ عمل کو درست کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ ہے کہ پہلے سوچ کو درست کیجیے' نقطۂ نظر کی اصلاح کیجیے' فکر کو صحیح بنیادوں پر اُستوار[2] کیجیے اسے صحیح اساس پر reconstruct[3] کیجیے اور تب توقع رکھیے کہ اس کا عمل درست ہو گا اور صحیح خطوط پر استوار ہو گا۔ قرآن مجید کا طریقِ تزکیہ یہ ہے۔ چنانچہ اس آیت میں تزکیہ کا ذکر دراصل ﴿يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِه﴾ کے نتیجے کے طور پر آیا ہے کہ آیاتِ الٰہیہ کے ذریعے سے جب انسان کے فکر کی اصلاح ہو گئی' اس کے نظریات درست ہو گئے' اِلحاد و مشرکانہ اَوہام کی جڑیں جب انسان کے ذہن اور اس کے قلب سے کٹ گئیں تو گویا اس طریقے سے غلط اعمال' غلط کردار اور غلط عادات کی جڑ بھی کٹ گئی۔ اس لیے کہ ان کے لیے اب غذا مہیا نہیں ہو رہی۔ نتیجہ یہ نکلے گا کہ غلط اعمال بالکل اس طرح سے انسانی سیرت سے علیحدہ ہو جائیں گے جس طرح سے پت جھڑ کے موسم میں پتے درختوں سے گر جاتے ہیں۔

بدقسمتی سے تزکیۂ نفس کے ضمن میں ہمارے صوفیاء نے جو مختلف طریقے اختیار کیے ہیں وہ طریقِ نبوی ﷺ سے کچھ زیادہ مطابقت نہیں رکھتے۔ ہماری ایک بڑی بدقسمتی یہ بھی رہی ہے کہ دورِ صحابہؓ کے بعد ہمارے ہاں اس وحدتِ فکر و عمل میں بتدریج زوال آتا چلا گیا جو دورِ خلافت راشدہ کا طرّہ ٔامتیاز[4] تھی۔ کچھ لوگ قانون اور فقہ کے ماہر بن گئے اور کچھ نے تزکیۂ نفس کے میدان کو اختیار کر لیا۔ اس طریقے سے مختلف گوشوں میں یہ تمام امور بڑھتے چلے گئے اور ہر گوشہ اپنے ہی انداز میں ترقی کرتا اور پروان چڑھتا رہا۔ اس طرح وہ وحدتِ فکر و عمل جو قرآن مجید نے عطا کی تھی' مجروح[5] ہوئی۔

---

(۱) غلبہ (۲) قائم کرنا (۳) دوبارہ تعمیر (۴) امتیازی نشان (۵) زخمی

چنانچہ تزکیۂ نفس کے معاملے میں نہ معلوم کہاں سے یہ نظریات لیے گئے اور کہاں سے یہ نفسیاتی ریاضتیں اور مشقتیں اخذ کی گئیں کہ جن کے ذریعے سے تصفیۂ[۱] باطن، تزکیۂ نفس اور تربیتِ روحانی کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس ضمن میں واقعہ یہ ہے کہ میں گہرے احساس کے ساتھ اور علیٰ وجہِ البصیرت یہ عرض کر رہا ہوں کہ اس میدان میں طریقِ نبوی ﷺ سے کچھ زیادہ ہی دوری ہوتی چلی گئی۔ نبی اکرم ﷺ کا طریقۂ تربیت اور اسلوبِ تزکیہ اس سے بہت مختلف تھا۔

نبی اکرم ﷺ نے تزکیۂ نفس کے لیے جو طریقہ اختیار فرمایا تھا وہ یہی تھا کہ پہلے اس قرآن کے ذریعے سے فکر کی تطہیر[۲] کی جائے، نقطۂ نظر اور سوچ کی اصلاح کی جائے، نتیجتاً غلط اعمال پت جھڑ کے پتوں کی طرح از خود جھڑ جائیں گے یا جیسے اس درخت کے پتے سوکھ کر جھڑ جاتے ہیں جس کی جڑ کاٹ دی گئی ہو۔ یہ ہے تزکیہ کا عمل اور جان لیجیے کہ قرآن مجید ہی درحقیقت اس عملِ تزکیہ کا بھی محور ہے۔ "تلاوتِ آیات" کی طرح تزکیہ کی اساس اور بنیاد بھی یہی قرآن ہے۔ افسوس یہ ہے کہ اس معاملے میں جو طریقے اختیار کیے گئے ان میں بالعموم قرآن حکیم کو نظر انداز کر دیا گیا۔ علامہ اقبال نے اس تلخ[۳] حقیقت کی جانب اپنے ان اشعار میں بڑی خوبصورتی سے اشارہ کیا ہے: ؎

صوفیٔ پشمینہ پوشِ حال مست
از شرابِ نغمۂ قوال مست[۴]
آتش از شعرِ عراقی در دِلش
در نمی سازد بقرآں محفلش[۵]

کہ اس عملِ تزکیہ کا سارا تعلق قرآن حکیم سے تو کٹتا چلا گیا اور صوفیوں کا حال بالعموم یہ

---

(۱) صفائی (۲) پاک کرنا (۳) ناگوار

(۴) اونی لباس میں ملبوس صوفی اپنے حال میں مست، قوال کے نغمے کی شراب ہی سے مدہوش ہے۔

(۵) اس کے دل میں عراقی کے کسی شعر سے تو آگ سی لگ جاتی ہے لیکن اس کی محفل میں قرآن کا کہیں گزر نہیں۔

ہو گیا کہ عراقی یا اس قبیل[۱] کے دیگر شعراء کے اشعار سے تو ان کے دلوں میں حرارت پیدا ہوتی ہے لیکن قرآن کو سن کر اُن کی آنکھیں پُرنم نہیں ہوتیں۔ اس لیے کہ تلاوتِ قرآن کے ذریعے سے اندرونی کثافتوں اور کدورتوں کی صفائی کرنے کا جو طریقہ تھا محمد رسول اللہ ﷺ کا' وہ متروک[۲] ہوتا چلا گیا اور تزکیہ کا عمل' جو درحقیقت براہِ راست نتیجہ تھا ﴿يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِهٖ﴾ کا' اسے اس کی اصل[۳] سے کاٹ دیا گیا۔ علامہ اقبالؒ نے بعض حقائق کی تعبیر بڑی خوبصورتی سے کی ہے اور اس اعتبار سے میری گفتگو میں اُن کا بار بار حوالہ آ رہا ہے۔ وہ کہتے ہیں: ؎

کُشتنِ ابلیس کارے مشکل است
زاں کہ اُو گُم اندر اعماقِ دل است

کہ ابلیس کو قتل کر دینا اور اس کو بالکل ختم کر دینا بڑا مشکل کام ہے' اس لیے کہ وہ تو لوگوں کے وجود کے اندر سرایت کر جاتا ہے' دل کی گہرائیوں میں اتر جاتا ہے۔ یہ درحقیقت اس حدیثِ نبوی کا ترجمہ یا ترجمانی ہے جس میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ الشَّيۡطٰنَ يَجۡرِیۡ مِنَ الۡاِنۡسَانِ مَجۡرَی الدَّمِ))[۴]

"بے شک شیطان تو انسان کے وجود کے اندر اس طرح جاری و ساری ہو جاتا ہے جیسے (اس کی رگوں میں) خون دوڑتا ہے۔"

اس کے بعد علامہ اقبال فرماتے ہیں ؎

خُوشتر آں باشد مسلمانش کُنی
کُشتۂ شمشیرِ قرآنش کُنی!

اس شعر کے پہلے مصرعے میں بھی درحقیقت ایک حدیث کی طرف اشارہ ہے۔ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان ہوتا ہے۔ اس پر صحابہؓ میں سے واقعتاً کسی نے بڑی ہمت کر کے سوال کیا کہ حضورؐ! کیا آپ ﷺ کے ساتھ بھی

---

(۱) قسم (۲) ترک ہونا (۳) جڑ۔ بنیاد

(۴) صحیح البخاری، کتاب الاعتکاف، باب زیادۃ المرأۃ زوجھا فی اعتکافہ

شیطان ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں ہے‘ لیکن میں نے اسے مسلمان کرلیا ہے۔
علامہ اقبال نے اسی حدیث کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے کہ ع

خوشتر آں باشد مسلمانش کُنی

یعنی بہتر یہ ہے کہ تم اس شیطان کو مسلمان کرلو! لیکن اس کا طریقہ کیا ہے؟ وہ یہ کہ ع

کُشتۂ شمشیرِ قرآنش کُنی!

اسے قرآن کی شمشیر سے قتل کرو۔ تمہارے اندر اگر غلط خیالات‘ غلط رجحانات‘ غلط جذبات اور غلط شہوات پیدا ہو رہی ہیں تو یہ درحقیقت تمہاری غلط سوچ و فکر اور تمہارے نقطۂ نظر کے کج ہو جانے کا نتیجہ ہے۔ یہ قرآن ایک ایسا ذریعہ ہے جو تمہاری سوچ کو صحیح کرے گا‘ تمہارے نقطۂ نظر کو درست کرے گا‘ اور تمہارے نظامِ اقدار (value system) کو صحیح بنیادوں پر استوار کرے گا۔ یہ ہے وہ طریقہ جس سے تمہاری شخصیت میں انقلاب آئے گا اور اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ غلط عادات اور غلط افکار کے دھبے تمہاری شخصیت سے خود بخود دور ہوتے چلے جائیں گے اور باطن کے اس انقلاب کے بعد ہی تم اس قابل ہوسکو گے کہ خارج میں بھی انقلاب برپا کرسکو!

میں یہاں پھر عرض کرنا چاہتا ہوں کہ نبی اکرم ﷺ کے اس انقلابی عمل میں قرآن حکیم کو جو اہمیت حاصل ہے اور جس کو بڑے ہی اِجمال[۱] کے ساتھ مولانا حالی نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ ؎

اُتر کر حِرا[۲] سے سُوئے قوم[۳] آیا
اور اِک نسخۂ کیمیا[۴] ساتھ لایا

واقعہ یہ ہے کہ اس دور میں اس حقیقت کو علامہ اقبال مرحوم نے کماحقہٗ سمجھا ہے اور اس کا ادراک کیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کی عظمت کا بیان جس طرح ہمیں ان کے ہاں ملتا ہے‘ وہ اس دَور کے کسی اور شخص کے ہاں نہیں ملتا۔ اس ضمن میں ان کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیے ؎

---

(۱) اختصار (۲) غارِ حرا (۳) قوم کی طرف (۴) ادنیٰ کو اعلیٰ بنانے والا نسخہ

گر تُو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن (۱)

آں کتابِ زندہ قرآنِ حکیم
حکمتِ اُو لایزال است و قدیم (۲)

فاش گویم آنچہ در دل مُضمَر است
ایں کتابے نیست چیزے دیگر است (۳)

مثلِ حق پنہاں و ہم پیداست اُو
زندہ و پائندہ و گویاست اُو (۴)

چُوں بجاں در رفت جاں دیگر شَوَد
جاں چُو دیگر شُد جہاں دیگر شَوَد (۵)

ان اشعار میں سے آخری شعر میں علامہ اقبال نے یہ حقیقت بیان کی ہے کہ جب یہ قرآن کسی کے باطن میں سرایت کر جاتا ہے تو اس کے اندر کی دنیا بدل جاتی ہے' اس کے اندر ایک عظیم انقلاب آ جاتا ہے' اس کی سوچ' اس کا فکر اور اس کے نظریات بدل جاتے ہیں' اس کی اقدار' اس کا نقطۂ نظر اور زاویۂ نگاہ تبدیل ہو جاتا ہے۔ اب گویا وہ مکمل طور پر ایک بدلا ہوا انسان ہے اور اس کے اندر سے جو یہ تبدیلی ابھری ہے' یہی درحقیقت صحیح طور پر خارج میں ایک تبدیلی برپا کرے گی اور اس طرح تمام غلط رویے اور تمام غلط اعمال خود بخود ختم ہوتے چلے جائیں گے' کیونکہ اندر سے ان کو غذا دینے والی جڑیں اب کاٹی جا چکی ہیں۔

---

(۱) اگر تو مسلمان بن کر زندہ رہنا چاہتا ہے تو ایسی زندگی قرآنِ پاک کے بغیر ممکن نہیں۔

(۲) وہ زندہ کتاب، قرآنِ حکیم جس کی حکمت لازوال بھی ہے اور قدیم بھی۔

(۳) اس کتاب کے بارے میں جو بات میرے دل میں پوشیدہ ہے اسے اعلانیہ ہی کہہ گزروں کہ یہ کتاب نہیں کچھ اور ہی شے ہے۔ (۴) یہ ذاتِ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا کلام ہے، لہٰذا اسی کی مانند پوشیدہ بھی ہے اور ظاہر بھی، اور جیتی جاگتی بولتی بھی ہے اور ہمیشہ قائم رہنے والی بھی ہے۔ (۵). جب یہ کسی کے باطن میں سرایت کرتا ہے تو اندر کی دنیا بدل جاتی ہے۔ یہی تبدیلی، خارج کی دنیا بدل دیتی ہے۔

تعلیم کتاب

تلاوتِ آیات اور تزکیۂ نفوس کے بعد تیسرا مرحلہ "تعلیم کتاب" کا ہے۔ چنانچہ آگے فرمایا: ﴿وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ﴾ "اور وہ تعلیم دیتا ہے انہیں کتاب کی"۔

یہاں ایک بات نوٹ کر لینی چاہیے' جیسا کہ آغاز میں عرض کیا جا چکا ہے کہ "تلاوتِ آیات" میں بھی پیش نظر قرآن ہے' لیکن یہاں پھر جو کتاب کا لفظ آیا ہے تو اس میں یقیناً قرآن مجید کا کوئی دوسرا پہلو پیشِ نظر ہے۔ اس طرح مختلف الفاظ سے قرآن مجید ہی کے مختلف گوشوں یا مختلف پہلوؤں کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے۔ اس اصول کی روشنی میں غور کریں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ قرآن مجید میں لفظ "کتاب" بالعموم قانون کے لیے آتا ہے' مثلاً کسی چیز کے وُجوب اور فرضیت کا بیان "کُتِبَ" کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ جیسے فرمایا گیا: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ﴾ (البقرۃ: ۱۸۳) "تم پر روزہ رکھنا فرض کر دیا گیا" ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ﴾ (البقرۃ: ۲۱۶) "تم پر قتال فرض کر دیا گیا"۔ ایسے ہی وصیت کے وجوب[1] کے بارے میں جو ابتدائی حکم تھا' اس کے الفاظ ہیں: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۨالْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ...﴾ (البقرۃ: ۱۸۰) "تم پر واجب کر دیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کے سامنے موت آ موجود ہو اور اگر وہ کچھ مال چھوڑ کر جا رہا ہو تو اپنے والدین اور رشتے داروں کے لیے وصیت کر جائے......" کہیں آتا ہے: ﴿حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ...﴾ (البقرۃ: ۲۳۵) "یہاں تک کہ قانون اپنی اصل مدت کو پہنچ جائے......" تو لفظ "کتاب" کا اطلاق اس کی پوری ہمہ گیریت کے ساتھ پورے قرآن مجید پر بھی ہوگا' لیکن جب قرآن کے مختلف پہلوؤں کے لیے مختلف الفاظ استعمال کیے جا رہے ہوں تو "کتاب" سے مراد قوانین اور احکام ہوں گے۔ چنانچہ آیت زیرِ مطالعہ میں انقلابِ نبوی ﷺ کے اساسی منہاج کی وضاحت کے لیے مختلف الفاظ آ رہے ہیں۔ سب سے پہلے فرمایا: ﴿يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ﴾ اور یہاں "تلاوتِ آیات" سے

---

(۱) واجب ہونا

مراد لازمی طور پر قرآن حکیم ہی کی آیات کی تلاوت ہے۔ اس کے بعد ﴿یُزَکِّیۡہِمۡ﴾ کے الفاظ میں تزکیۂ نفوس کا ذکر کیا گیا جو اسی کا ایک منطقی نتیجہ ہے۔ پھر ﴿یُعَلِّمُہُمُ الۡکِتٰبَ﴾ میں جو لفظ "کتاب" دوبارہ آیا ہے تو واقعہ یہ ہے کہ یہاں اس سے مراد احکامِ شریعت (don'tsdos) ہیں' یعنی یہ کرو اور یہ نہ کرو! یہ حلال ہے اور یہ حرام!

احکامِ شریعت میں حکمتِ تدریج

حلال و حرام کے احکام دینے میں یہ تدریج اور ترتیب برقرار رکھی گئی ہے کہ انہیں قلوب و اذہان[1] کو بدلے بغیر نافذ نہیں کیا گیا۔ جب ذہن و فکر کی تبدیلی عمل میں آ چکی' دلوں کی دنیا میں ایمان جاگزیں[2] اور راسخ[3] ہو چکا اور بنیادی طور پر برے کردار اور برے اخلاق سے انسان کا دامن صاف ہو چکا تو اب یوں سمجھئے کہ گویا زمین میں ہل چل چکا ہے اور وہ بیج ڈالے جانے کے لیے پوری طرح تیار ہے۔ اب بیج ڈالیں گے تو وہ بیج بارآور ہوگا' نتیجہ خیز ہوگا۔ زمین کو تیار کیے بغیر بیج ڈال دیا جائے تو بیج ضائع ہو جائے گا۔ چنانچہ جب ﴿یَتۡلُوۡا عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتِہٖ﴾ کا عمل کیا جا چکا اور تزکیہ کے بنیادی تقاضے پورے ہو چکے' تب کہا گیا کہ یہ کرو اور یہ نہ کرو! اور اس وقت ہر حکم کو پوری خوش دلی کے ساتھ قبول کیا گیا۔ غور کیجیے کہ قرآن میں پہلے ہی حلال اور حرام کے احکام کیوں نہیں آ گئے اور ان کا نزول اتنی دیر کے بعد کیوں ہوا؟ یا پورا قرآن یکدم کیوں نازل نہیں کر دیا گیا؟ اس کی وجہ یہی حکمتِ تدریج[4] ہے۔ پہلے وہ آیات اور سورتیں اُتریں جنہوں نے قلوب و اذہان کی دنیا میں ہل چلایا اور اس میں سے کثافتوں کو نکال کر باہر پھینک دیا' ایمان کی بنیادوں کو اُستوار کیا' نتیجتاً بنیادی انسانی اخلاق پروان چڑھے اور گندگیوں سے سیرتیں پاک ہو گئیں۔ اس طرح جب یہ زمین پوری طرح تیار ہو گئی تو اس میں بیج ڈالا گیا اور یہ بیج خُوب بارآور ہوا۔ یہ ہے وہ حکمت اور تدریج کہ جو قرآن مجید نے اپنے نزول میں ملحوظ[5] رکھی' یا صحیح تر الفاظ میں یوں کہنا چاہیے کہ قرآن کے نازل کرنے

---

(۱) ذہن کی جمع = عقل (۲) بیٹھ جانا (۳) پختہ (۴) درجہ بدرجہ ہونے والی مصلحت
(۵) لحاظ رکھنا

والے نے اس کے نازل کرنے میں پیشِ نظر (۱) رکھی اور اسی حکمت اور اسی تدریج کے ساتھ محمد رسول اللہ ﷺ نے انقلاب برپا کیا۔

یہ اسی کا مظہر (۲) ہے کہ ذہنی وقلبی تربیت کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جو بھی حکم دیا گیا وہ انہوں نے بلا تأمل قبول کیا۔ انہیں جس چیز کے چھوڑنے کو کہا گیا وہ انہوں نے فوراً ترک کر دی۔ غور کیجیے کہ شراب جیسی چیز جسے طبی دنیا میں بھی "habit making" (۳) مانا جاتا ہے اور جو انسان کے پورے جسمانی نظام کے ساتھ اس طرح وابستہ (۴) ہو جاتی ہے کہ پھر اس کا دفعتاً چھوڑ دینا نقصان دہ ہو سکتا ہے' جب اس کی حرمت کا حکم آتا ہے تو قرآن مجید اور محمد رسول اللہ ﷺ کا اعجاز دیکھئے کہ شراب کا جام اگر کسی کے ہونٹوں تک بھی پہنچا ہوا تھا تو اس کا ایک گھونٹ اس کے اندر نہیں گیا۔ شراب کی حرمت کے اعلان کے ساتھ ہی اس کے تمام برتن توڑ ڈالے گئے اور مدینہ کی گلیوں میں شراب کی ندیاں بہہ نکلیں۔ حالانکہ یہ وہ لوگ تھے کہ جن کے ہاں شراب کا بالکل وہی تصور تھا جو آج آپ کو مغربی تہذیب میں نظر آتا ہے کہ پانی تو پانی ہے' لیکن پینے کی اصل شے شراب ہے۔ شراب ان کی تمدنی زندگی کا جزوِ لاینفک (۵) تھی' شراب پیتے ہوئے ان کی ساری ساری عمریں بیت گئی تھیں' شراب ان کی گھٹی میں پڑی تھی' لیکن جب شراب کی حرمت کا حکم آ گیا تو انہوں نے اس کو کسی توقف کے بغیر چھوڑ دیا' اور اس شان کے ساتھ چھوڑا کہ پھر پلٹ کر اس کی طرف نہیں دیکھا۔ یہ درحقیقت محمد رسول اللہ ﷺ کا ایک معجزہ ہے اور اس معجزے کی بنیاد یہی تدریج اور حکمت ہے۔

احکام کی تنفیذ سے پہلے ان کے دلوں میں ایمان راسخ ہو چکا تھا۔ یہ یقین پیدا ہو چکا تھا کہ محمد (ﷺ) جو کچھ کہہ رہے ہیں اپنی طرف سے نہیں' اللہ کی طرف سے کہہ رہے ہیں ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝۳ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝۴﴾ (النجم) انہیں اللہ کی ذات اور آخرت پر یہ پختہ یقین حاصل ہو چکا تھا کہ مرنے کے بعد اللہ کے حضور حاضر ہونا ہے' جہاں تمام اعمال کی جواب دہی ہوگی اور یہ کہ اصل زندگی آخرت کی ابدی زندگی

---

(۱) سامنے (۲) جائے ظہور (۳) عادی بنانے والی (۴) منسلک (۵) لازمی جزو

ہے۔ جب یہ یقین پیدا ہو چکا تو اب کسی لمبے چوڑے استدلال کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ جب سود کی حرمت کا حکم آیا تو اس کے لیے کسی منطقی استدلال [1] کی ضرورت نہیں پڑی۔ تجارت کے ساتھ اس کی ظاہری مشابہت کی بنا پر اگر یہ اعتراض بھی کیا گیا کہ ﴿اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ط﴾ تو جواب صرف یہ دیا گیا: ﴿اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ط﴾ (البقرۃ: ۲۷۵) کہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام ٹھہرایا ہے۔ تو جو کوئی اللہ کو مانتا ہو اور یہ ایمان رکھتا ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہ بات اپنی طرف سے نہیں کہہ رہے، اللہ کی طرف سے کہہ رہے ہیں، تو اب اس کے لیے چون وچرا کی کوئی گنجائش نہیں۔

اس کے برعکس امریکہ میں بڑے ٹھوس اعداد و شمار کی بنیاد پر شراب پر پابندی عائد کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ چنانچہ شراب نوشی کے نقصانات گنوائے گئے، بتایا گیا کہ ٹریفک کے حادثات اکثر و بیشتر شراب نوشی کی وجہ سے ہوتے ہیں، کئی بار ایسا ہو چکا ہے کہ کسی ذمہ دار افسر کو شراب کے نشے میں مست کر کے جاسوس حسینائیں اس سے قومی اہمیت کے بڑے بڑے راز اگلوا کر لے گئیں۔ لیکن اس طرح کے متعدد حقائق بیان کرنے اور پورے اعداد و شمار مہیا کرنے کے بعد بھی جب اس پر پابندی عائد کی گئی تو یہ سارے اعداد و شمار، یہ سارا فلسفہ اور سارے طبّی اور سائنسی حقائق دھرے کے دھرے رہ گئے اور ع "چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی" کے مِصداق پابندی کا یہ حکم قبول نہیں کیا گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ یہ حکم واپس لینا پڑا اور شراب کی حِلّت کو پھر سے تسلیم کرنا پڑا۔ لیکن محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو انقلاب برپا کیا اس کے process [2] میں ہمیں ایک تدریج نظر آتی ہے۔ چنانچہ پہلے کتابِ الٰہی کی تلاوتِ آیات اور پھر اسی کے ذریعے سے تزکیۂ نفوس [3] کے بعد تعلیمِ کتاب یعنی احکامِ شریعت کی تعلیم اور تنفیذ کا مرحلہ آتا ہے۔ اس مرحلے پر اب اوامر و نواہی، حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی پوری فہرست دے دی گئی اور اس کی تنفیذ بھی ہو گئی۔

---

(۱) عقلی دلیل (۲) طریقِ کار (۳) نفوس کو غلط نظریات سے پاک کرنا

تعلیمِ حکمت

انقلابِ نبوی ﷺ کے اساسی منہاج[1] کا آخری مرحلہ "تعلیم حکمت" کا ہے۔ جیسا کہ فرمایا گیا: ﴿وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ "حکمت" کا لفظ اس سے پہلے سورۂ لقمان کے دوسرے رکوع کے ضمن میں آیا تھا: ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ﴾ اُس مقام پر لفظ "حکمت" پر گفتگو کی گئی تھی اور عرض کیا گیا تھا کہ عربی میں "ح ک م" کا مادہ بنیادی طور پر کسی شے کی پختگی اور استحکام کے لیے آتا ہے۔ حکمت انسانی عقل اور شعور کی پختگی ہے۔ انسان کے اندر غور وفکر کی جو استعداد ہے اس کا پختہ (mature) ہو جانا اور اس میں اصابتِ رائے[2] کی صلاحیت کا پیدا ہو جانا حکمت ہے اور یہ انسان کی صلاحیتوں میں بلند ترین چیز ہے۔ عام تعلیمی نظام میں بھی تربیت انسانی کے نقطۂ نظر سے یہ تدریج ملحوظ رکھی جاتی ہے کہ کسی بچے کو آپ پہلے تاریخ کے واقعات کا مطالعہ کروائیں گے اور اس کو یاد کروائیں گے کہ فلاں فلاں واقعات کب اور کیسے ہوئے۔ اس کے بعد پھر ایک مرحلہ "فلسفۂ تاریخ"[3] کا آتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا؟ فلاں قوم کو شکست کیوں ہوئی' فلاں تہذیب کو عروج کیوں حاصل ہوا اور فلاں تمدن زوال پذیر کیوں ہوا؟ وغیرہ۔ اسی طرح آپ جغرافیہ میں پہلے یہ پڑھائیں گے کہ فلاں ملک کی آب وہوا کیا ہے' وہاں کی زرعی پیداوار کیا ہے اور وہاں کون کون سے معدنی ذخائر پائے جاتے ہیں۔ لیکن اس کے بعد پھر طبعی جغرافیہ (Physical Geography) میں یہ مرحلہ بھی آتا ہے کہ یہ تغیر وتبدُّل کیوں ہے؟ یہ موسم اس طرح کیوں بدلتے ہیں؟ فلاں جگہ یہ چیز کیوں پیدا ہو رہی ہے؟ اور فلاں خطے میں یہ معدنیات کیوں پائی جاتی ہیں؟ تو درحقیقت یہ "کیوں اور کیسے؟" ہر گوشۂ علم[4] میں چوٹی کی چیز ہے۔ اسی طریقے سے دین کا معاملہ ہے۔ انسانی ذہن اور شعور تربیت پا کر وہ پختگی حاصل کر لیں کہ انسان دین کے "کیوں اور کیسے" کو سمجھ سکے تو یہ "حکمت" ہے۔ فاتحِ دورِ حاضر امام الہند حضرت شاہ ولی

(۱) بنیادی طریق (۲) صحیح رائے تک پہنچنا (۳) تاریخ کے مراحل میں کیوں اور کیسے کی وضاحت
(۴) شعبۂ تعلیم

اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی شہرۂ آفاق کتاب "حُجَّةُ اللهِ الْبَالِغه" کا موضوع یہی حکمت دین ہے کہ احکامِ شریعت میں کیا حکمتیں ہیں' ان کے کیا مقاصد ہیں؟

دین پر عمل کا ایک درجہ تو یہ ہے کہ ہر مسلمان کو شریعت کے اوامر و نواہی کی پابندی کرنی ہے۔ "سمع وطاعت" اس کے ایمان کا تقاضا ہے۔

Theirs not to reason why?

Theirs but to do die! (۱)

لیکن اس سے بلند تر سطح یہ ہے کہ وہ بصیرتِ باطنی اور enlightment پیدا ہو جائے کہ جس سے نظر آنے لگے کہ یہ حکم کیوں دیا جا رہا ہے' اس کی حکمتیں کیا ہیں' اس کی غرض کیا ہے' اس کی عِلّت (۲) کیا ہے' اس کی مصلحتیں کیا ہیں! انسان کے اپنے مفاد میں اور نظامِ اجتماعی کے اپنے مصالح (۳) کے اعتبار سے دین کے ان احکام کی کیا اہمیت اور کیا مقام و مرتبہ ہے!! اس مرحلے پر پہنچ کر حکم بوجھ محسوس نہیں ہوتا بلکہ ایک نعمت معلوم ہونے لگتا ہے۔ تب شریعت کے اوامر و نواہی طبیعت کے لیے کسی ناگوار کیفیت کے حامل نہیں رہ جاتے' بلکہ ان کے اندر اللہ تعالیٰ کے انعام و احسان ہونے کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں شریعت کو نعمت سے تعبیر فرمایا گیا ہے: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ ...﴾ (المائدۃ: ۳) یعنی یہ اللہ کا انعام ہے کہ اُس نے تمہیں تمام پیچیدہ اور پر پیچ راہوں میں ایک درمیانی راہ "صراطِ مستقیم" عطا فرما دی اور ایک متوازن اور معتدل نظام تمہیں عطا فرمایا۔ یہ سراسر انعامِ خداوندی ہے اور اس نعمت کا اِتمام (۴) ہوا ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر۔ سورۃ البقرۃ میں اس "حکمت" کے بارے میں فرمایا گیا: ﴿وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ط﴾ (آیت ۲۶۹) کہ جس کو حکمت عطا کر دی گئی اسے تو خیر کثیر سے نواز دیا گیا۔ اور واقعہ یہ ہے کہ یہ حکمت اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی دولت ہے اور اللہ کا اُس شخص پر بہت ہی بڑا

---

(۱) کسی حکم کی عِلّت معلوم کرنے کی بجائے اس کی تعمیل لازم ہے خواہ اس میں جان چلی جائے۔

(۲) سبب (۳) مصلحت کی جمع = خوبیاں (۴) تکمیل

احسان ہے جسے اُس نے حکمت سے نوازا ہو۔ علامہ اقبال نے اسے "اَسرارِ دین" سے تعبیر کیا ہے۔ فرماتے ہیں: ؎

اے کہ می نازی بہ قرآنِ حکیم
تا کجا در حجرہ ہا باشی مقیم[1]
در جہاں اَسرارِ دیں را فاش کن!
نکتۂ شرعِ مُبیں را فاش کن![2]

تو حکمتِ دین کی تعلیم اور اس کا عام کیا جانا انقلابِ نبوی ﷺ کے اساسی منہاج میں چوٹی کا معاملہ ہے۔ گویا یہ اس کا مرتبۂ کمال اور نقطۂ عروج ہے۔

فرد اور معاشرے میں انقلاب کا لائحۂ عمل

اب آپ ان چاروں اصطلاحات کو ایک مرتبہ پھر اپنے ذہن کے سامنے لایئے:
(۱) يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ (۲) وَيُزَكِّيْهِمْ (۳) وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ (۴) وَالْحِكْمَةَ اور دیکھئے کہ انقلاب کے عمل میں ان کو بتدریج کیسے بروئے کار لایا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر آپ کا کوئی عزیز، کوئی نوجوان ہے جو آپ کو محبوب ہے اور آپ پورے خلوص کے ساتھ چاہتے ہیں کہ وہ دین کی طرف آئے، یا یوں تعبیر[3] کیجیے کہ اس میں دینی انقلاب برپا ہو جائے۔ اس کی کچھ عادات اور دلچسپیاں ایسی ہیں کہ جو آپ کی نظر میں کھٹکتی ہیں، اس کے صبح وشام کا رنگ کچھ بدل گیا ہے۔ آپ اس کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے اس کے فکر اور ذہن کا جائزہ لیجیے کہ کہیں اس کے ذہن میں کوئی "برٹرینڈ رَسَل" تو نہیں ہے، وہاں کوئی "ساخت" اور اس کا فلسفہ مَوجودیّت تو مُسلّط نہیں ہے، کہیں کسی "فرائیڈ" کے نظریات نے تو اس پر تسلُّط حاصل نہیں کر لیا، کہیں

(۱) اے وہ شخص یا قوم جسے حاملِ قرآنِ عظیم ہونے پر فخر ہے، آخر کب تک حجروں اور گوشوں میں دَبکے رہو گے؟
(۲) (اُٹھو اور) دنیا میں دینِ حق کے اسرار ورموز کو عام کرو۔ اور شریعتِ اسلامی کے رُموز اور حکمتوں کی تشہیر واشاعت کے لیے سرگرم ہو جاؤ۔
(۳) مفہوم نکالنا

کسی اور کا نظریہ تو نہیں ہے کہ جو اس کے ذہن اور دل پر مُستولی [1] ہو گیا ہو۔ اگر آپ یہ تجزیہ نہیں کر سکتے اور اس کا مداوا [2] نہیں کر سکتے، آیاتِ قرآنیہ کے ذریعے سے اس کے دل میں نورِ ایمان، اللہ کا یقین، آخرت کا یقین، جنت و دوزخ کا یقین اور وحی و رسالت کا یقین پیدا نہیں کر سکتے، تو جان لیجیے کہ آپ کی وہ ساری خواہش دھری رہ جائے گی اور اس کے اندر کوئی تبدیلی برپا نہ ہو سکے گی۔ وہ اگر سعادت مند [3] ہے تو آپ کے سامنے چپ ہو جائے گا، گردن جھکا دے گا۔ ہو سکتا ہے آپ کے دباؤ کے تحت، جہاں آپ کے سامنے ہو، نماز بھی پڑھ لے، لیکن اس کی فکر کچھ اور ہے، اس کی سوچ کچھ اور ہے ؎

گلا تو گھونٹ دیا اہلِ مدرسہ [4] نے ترا
کہاں سے آئے صدا [5] لا الٰہ الا اللہ!

اس کی فکر اور اس کی سوچ پر تو کچھ اور چیزوں کا تسلّط ہو چکا ہے، جن میں کہیں نماز یا روزے کی گنجائش ہی نہیں۔

اَوامر و نواہی اور حلال و حرام کی بنیاد یہ ہے کہ کوئی صاحب ایمان ہو، وہ وحی و رسالت اور کتاب کو مانتا ہو۔ اگر وہ بنیاد ہی موجود نہ ہو تو کیا حلال اور کیا حرام؟ اس کے ذہن میں کس چیز کے بارے میں فرض کا تصور قائم ہو گا اور کس چیز کو وہ ممنوع اور حرام سمجھے گا؟ یہ ساری چیزیں اس وقت تک بے بنیاد ہیں جب تک ایمان دل کے اندر پیدا نہ کیا جائے۔ یہی ایک واحد راہِ عمل ہے کسی شخص کو بدلنے کی۔ اور یہ بات عرض کی جا چکی ہے کہ اس سارے عمل کا مرکز و محور قرآن حکیم ہے۔ اگر "تلاوتِ آیات" کے ذریعے اس میں ذہن و فکر کی تبدیلی آتی ہے تو اس کی بُری عادتیں خود بخود بدل جائیں گی اور سب بُری لتوں سے وہ خود بخود آزاد ہوتا چلا جائے گا اور اب آپ کو ایک ایک چیز کے لیے علیحدہ علیحدہ دردِ سر مول لینے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ جب وہ جڑیں کٹ جائیں گی جن سے ان عاداتِ فاسدہ [6] کے پتوں کو فاسد غذا بہم پہنچ رہی تھی تو وہ خود بخود خشک

---

(۱) چھایا ہوا (۲) علاج (۳) نیک بخت۔ فرمانبردار (۴) مراد ہے آج کل کے سکول اور کالج
(۵) آواز (۶) بگڑی ہوئی عادتیں

ہو کر گر پڑیں گے۔ اب وہ وقت آئے گا کہ آپ اسے بتائیں کہ یہ ہے دین کا حکم' اور وہ اس پر عمل پیرا ہو جائے گا۔ اور یہ عمل مصنوعی نہیں ہوگا' بلکہ فطری ہوگا۔ اس کے بعد اگر اس میں اِستعداد[۱] ہے تو اسے مرتبۂ حکمت تک پہنچایئے۔ یہاں پہنچ کر اس کی شخصیت کو دین کے بارے میں ٹھہراؤ' تمکّن[۲] اور دوام[۳] حاصل ہوگا۔ اس کے کیا ہی کہنے ہیں! ظاہر بات ہے کہ حکمت کا یہ مقام کچھ نرالا ہی مقام ہے۔ یہاں انسان گویا اپنی بصیرتِ باطنی[۴] سے دیکھ رہا ہوتا ہے کہ حق یہی ہے۔ یہ اس کا ذاتی تجربہ بن جاتا ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ دین میں کیا مُقدّم ہے' کیا مُؤخّر ہے۔ کس چیز کی حیثیت جڑ کی ہے اور کس کی فرع[۵] کی۔ اب وہ اندھے کی طرح ٹامک ٹوئیے[۶] نہیں مار رہا ہوتا' بلکہ وہ دین کی تمام اقدار کو ان کے صحیح مقام پر صحیح توازن و اعتدال کے ساتھ برقرار رکھتا ہے۔ یہ ہے مرتبہ حکمت' کہ جس کو عطا ہو گیا اسے خیرِ کثیر عطا ہو گئی۔

اب یہاں ایک بات اور سمجھ لیجیے تو یہ مضمون مکمل ہو جائے گا۔ جس طرح کا معاملہ ایک فردِ نوعِ بشر کا ہے بالکل اسی طرح ایک قوم یا اجتماعیت کے تحت زندگی بسر کرنے والے ایک مجموعۂ افراد کا ہے۔ ایک ہیئتِ اجتماعیہ[۷] سے منسلک ہونے والے افراد بھی مجموعی طور پر ایک فرد (individual) ہی کی طرح کا رویہ رکھتے ہیں۔ اور جس طرح ایک فرد کے وجود میں دماغ قوتِ فیصلہ کا حامل ہوتا ہے اور پورے وجود پر اثر انداز ہوتا ہے اسی طرح ایک ہیئتِ اجتماعیہ میں ایک "ذہین اقلیت" اس پورے مجموعۂ افراد پر اثر انداز ہوتی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ دماغ میں پکڑنے کی طاقت نہیں ہے' یہ طاقت ہاتھ میں ہے' لیکن پکڑنے کا حکم اسے دماغ سے ملتا ہے۔ ہاتھ کیا پکڑے اور کیا نہ پکڑے' اس کا فیصلہ بھی دماغ کرتا ہے۔ اسی طرح پاؤں چل سکتے ہیں' لیکن چلیں نہ چلیں' اور اگر چلیں تو کدھر جائیں کدھر نہ جائیں' اس کا فیصلہ دماغ کرے گا۔ نوعِ انسانی کے ایک فرد میں ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضاء و جوارح[۸] ہیں' لیکن ان سب کو دماغ کنٹرول کر رہا ہوتا

---

(۱) صلاحیت (۲) قیام (۳) ہمیشگی (۴) دل کی بینائی (۵) شاخ

(۶) اندازے سے کام کرنا (۷) اجتماعی شکل (۸) جارحہ کی جمع = ہاتھ۔ پاؤں

ہے۔ گویا انسان کے دو ڈھائی من کے وجود میں پاؤ ڈیڑھ پاؤ کے دماغ کو ایک حکمران کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ بالکل اسی طریقے سے جان لیجیے کہ کسی قوم‘ کسی معاشرے‘ کسی سوسائٹی‘ کسی کمیونٹی یا کسی ہیئت اجتماعیہ میں جو ایک ذہین اقلیت (intellectual minority) یا intelligentsia ہوتی ہے‘ جسے آپ brain trust سے تعبیر کر سکتے ہیں‘ اس پوری ہیئت اجتماعیہ کو کنٹرول کر رہی ہوتی ہے۔ اس طبقہ کے لوگ اگرچہ تعداد میں بہت کم ہوتے ہیں‘ لیکن یہ لوگ اپنے معاشرے‘ اپنی قوم اور اپنے ملک میں بالکل اسی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں کہ جو اہمیت ایک فردِ بشر میں اس کے اپنے دماغ کو حاصل ہے۔ یہ سوچتے ہیں اور معاشرے کے رخ کا تعین کرتے ہیں۔ باقی عوام الناس اعضاء و جوارح کی مانند ہیں۔ جدھر یہ رخ کر لیں گے پورا معاشرہ اُدھر رخ کر لے گا‘ بالکل اسی طرح جیسے دماغ کے فیصلے کے تحت پاؤں چلتے اور ہاتھ حرکت کرتے ہیں۔

آپ کسی بھی معاشرے میں تبدیلی برپا کرنا چاہتے ہیں‘ کسی قوم یا ہیئت اجتماعیہ کو اسلام کے حق میں بدلنا چاہتے ہیں یا یوں کہیے کہ کسی جگہ پر بھی آپ اسلامی انقلاب برپا کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے نبی اکرم ﷺ کے طریقِ انقلاب پر اساسی منہاج یہی ہوگا کہ پہلے اس ذہین اقلیت کو تبدیل کیجیے۔ اگر اس کو آپ اسلام کے حق میں convert (۱) کر لیں اور اس میں ایمان و یقین کی روشنی پیدا ہو جائے تو اس طرح اس حلقے اور طبقے میں ایک ایسا مضبوط نیوکلیس (۲) پیدا ہو جائے گا جس نے دین کی بنیادی اقدار کو علیٰ وجہ البصیرت (۳) قبول کیا ہوگا‘ نہ کہ محض اعتقادی طور پر صرف ایک "dogma" (۴) کی حیثیت سے۔ چنانچہ اس ذہین اقلیت اور brain trust کے تبدیلی قبول کرنے سے مجموعی طور پر پورا معاشرہ تبدیلی قبول کر لے گا۔ ورنہ آپ عوام میں وعظ و نصیحت کرتے رہیے تو اگرچہ اس سے عوام الناس کے اندر ایک رُجوعِ عام بھی ہو جائے‘ تبدیلی برپا نہیں ہوگی۔

---

(۱) تبدیل کرنا (۲) مرکز (۳) مکمل سُوجھ بُوجھ کے ساتھ (۴) عقیدہ

اس بات کو سمجھنے کے لیے اس چھوٹی سی مثال پر غور کر لیجیے کہ ہمارے ہاں کسی زمانے میں ترقی پسند ادیبوں نے بعض اصطلاحات کا استعمال شروع کیا اور آج وہ اِصطِلاحات ہمارے معاشرے کے نچلے طبقات تک پہنچ گئی ہیں۔ "اِستحصال" جیسا بھاری بھرکم لفظ آج کسی تانگے بان اور کسی ریڑھی چلانے والے کی زبان پر آپ کے سننے میں آئے گا' اس لیے کہ یہ عمل ان لوگوں سے چلا تھا جو اس ملک کے اندر غور وفکر کرنے والے اور سوچ بچار کرنے والے لوگ تھے۔ اس "ذہین اقلیت" نے ایک فلسفے کو قبول کیا تھا اور پھر وہ فلسفہ اس معاشرے کے اندر سرایت [۱] کرتا چلا گیا۔ آپ کسی پارٹی کو تو ban کر سکتے ہیں' لیکن فکر پر کوئی قدغنیں [۲] عائد نہیں کی جا سکتیں' فکر کے لیے کسی پاسپورٹ اور ویزا کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ خود بخود پھیلتا ہے اور کسی ملک یا کسی معاشرے میں اس کو قید و بند میں ڈالنا ممکن نہیں ہے۔ اس وقت کی دنیا میں جبکہ فاصلے معدوم ہو گئے ہیں آپ کسی ملک یا خطۂ زمین کو محفوظ خطہ بنا کر نہیں رکھ سکتے کہ یہ فکر وہاں نہ آنے پائے۔ اصل معاملہ فکر ہی کا ہے۔ اگر فکر بدلے گا' سوچ بدلے گی' تو انسان بدلے گا۔ انسان کی انفرادی تبدیلی کے لیے بھی فکر کی تبدیلی لازمی ہے اور کسی معاشرے میں انقلاب برپا کرنے کے لیے بھی فکر کی تبدیلی ناگزیر [۳] ہے۔ اسلامی انقلاب کے لیے فکری بنیاد بھی قرآن حکیم سے مہیا ہوتی ہے اور اس کا پورا اساسی منہاج بھی قرآن حکیم ہی پر مبنی ہے: ﴿یَتۡلُوۡا عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیۡہِمۡ وَیُعَلِّمُہُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَۃَ ٭﴾

چُوں بجاں دَر رفت جاں دیگر شُوَد

جاں چو دیگر شد جہاں دیگر شُوَد

اس ضمن میں بعض لوگوں کو مغالطہ اور اِشتِباہ لاحق ہو سکتا ہے کہ کیا اتنا عظیم انقلاب اور اتنی بڑی تبدیلی صرف ایک کتاب کے بل پر پیدا ہو جائے گی؟ میں انہیں دعوت دوں گا کہ ذرا نگاہ دوڑائیے' اس وقت اشتراکی نظام رُوئے ارضی کے کتنے بڑے حصے پر قائم

---

(۱) جذب (۲) رکاوٹیں (۳) لازمی

ہے۔ پورے مشرقی یورپ ' پورے شمالی ایشیا ' بلکہ چین سمیت ایشیا کے اکثر و بیشتر حصے کے علاوہ دنیا کے کئی دور دراز ممالک میں یہ جو نظام قائم ہے اس کا سراغ(۱) لگائیے کہ یہ کس کا نتیجہ ہے؟ یہ سب کارل مارکس کی کتاب داس کیپیٹل (Das Capital) اور اس کے فلسفے کا اثر ہے کہ ذہنوں نے جس کو قبول کیا اور ان پر اس کی چھاپ قائم ہوئی۔ اور یہ انقلابات درحقیقت اسی کی بنیاد پر آئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبال نے مارکس کے بارے میں کہا تھا ع

"نیست پیغمبر و لیکن در بغل دارد کتاب"

اس کی بغل میں "کتاب" تھی ' اور یہ بات کسی کو پسند ہو یا ناپسند ہو ' کوئی اسے غلط سمجھے یا صحیح ' لیکن اس سے انکار ممکن نہیں کہ یہ سارے انقلابات درحقیقت اسی کتاب کا ایک ظہور اور اسی کتاب کا ایک بروز(۲) ہیں۔ تو ذرا سوچیے کہ ایک انسان کی کاوش ' اس کی تصنیف کردہ ایک کتاب اگر دنیا میں اتنے وسیع و عریض پیمانے پر ، اتنے وسیع و عریض خطے میں انقلاب برپا کر سکتی ہے تو کیا کتاب اللہ دنیا میں انقلاب برپا نہیں کر سکتی؟ اس کے لیے شرط یہ ہے کہ اس کتاب کی طرف approach(۳) درست ہو ' اس کتاب کو اس کا صحیح مقام دیا گیا ہو ' اس کتاب سے واقعتاً وہ کام لیا جائے کہ جس کے لیے وہ نازل کی گئی ہے ' جس کے لیے محمد رسول اللہ ﷺ کی شان میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں:

(یَتۡلُوۡا عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیۡہِمۡ وَیُعَلِّمُہُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَۃَ ٭) جس کے ذریعے سے افراد بدلے ' ان کے اندر انقلاب آیا اور پھر انہوں نے ساری انقلابی جدوجہد سے گزر کر انقلابِ محمدی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کی عملی تکمیل فرما دی۔

---

(۱) پتا (۲) ظہور (۳) رسائی

تنظیمِ اسلامی

دار الاسلام، مرکز تنظیم اسلامی ملتان روڈ چوہنگ لاہور۔ 53800

فون: 78-35473375 (042)

ای میل: markaz@tanzeem.org www.tanzeem.org

مراکز حلقہ جات

ای میل	موبائل	فون	
timergara@tanzeem.org	0343-0912306	0345-9535853	مالاکنڈ
peshawar@tanzeem.org	0334-8937739	091-2262902	پشاور
islamabad@tanzeem.org	0302-5089782	051-2751014	اسلام آباد
rawalpindi@tanzeem.org	0333-5127663	051-4866055	راولپنڈی
muzaffarabad@tanzeem.org	0346-9633369	0582-2447221	مظفر آباد
gujjarkhan@tanzeem.org	0311-5030220	051-4620514	گوجر خان
lahoreeast@tanzeem.org	0321-4152275	042-36293939	گڑھی شاہو لاہور
lahorewest@tanzeem.org	0300-8435160	042-37520902	سمن آباد لاہور
gujranwala@tanzeem.org	0334-4600937	0533600937	گوجرانوالہ
sargodha@tanzeem.org	0300-9603577	0300-9603045	سرگودھا
faisalabad@tanzeem.org	0300-7914988	0418732325	فیصل آباد
sahiwal@tanzeem.org	0300-0971784	0457-830884	ساہیوال ڈویژن
bahawalnagar@tanzeem.org	0346-7557711	0333-6305730	بہاولنگر
multan@tanzeem.org	0321-6303691	061-6520451	ملتان
sukkur@tanzeem.org	0345-5255100	071-5807281	سکھر
hyderabad@tanzeem.org	0333-2608043	022-2106187	حیدر آباد
karachinorth@tanzeem.org	0321-8110205	021-36823201	یاسین آباد کراچی
karachicentral@tanzeem.org	0321-9261317	021-34816581	گلشن اقبال کراچی
karachisouth@tanzeem.org	0300-2435625	021-34306041	سوسائٹی کراچی
quetta@tanzeem.org	0346-8300216	081-2842969	کوئٹہ